جنگ آزادی میں علماء کرام کی خدمات اور ہماری ذمہ داریاں

از: مولانا تبریز عالم قاسمی
استاذ دارالعلوم، حیدرآباد

اٹھارہویں صدی کے وسط میں سلطنت مغلیہ کا آفتاب مائل بہ غروب تھا اور انگریزی اقتدار کی گھٹائیں دن بدن گاڑھی ہورہی تھیں، انگریز جب ہندوستان پہنچے تھے تو تاجروں کی حیثیت سے پہنچے تھے اور عام لوگوں نے انھیں ایک معمولی تاجر کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا؛ لیکن ان کی نیت صاف نہیں تھی، انھوں نے اپنوں کی کمزوری اور آپسی نااتفاقی سے فائدہ اٹھا کر اپنی شاطرانہ اور عیارانہ چالوں کے ذریعہ یہاں کے سیاہ وسفید کے مالک ہوگئے اور ہندوستانی قوم کو غلامی کی غیرمرئی زنجیروں میں قید کرنے میں کامیاب ہوگئے، یہاں کی دولت وثروت کو بے دریغ لوٹنے لگے، یہاں کے باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے لگے اور یہاں کی تہذیب سے کھلواڑ کرنے لگے اور اس کا سلسلہ مزید بڑھتا ہی گیا، پانی جب سر سے اوپر ہوگیا، تو ہندوستانیوں کے دلوں میں آزادیٔ وطن کا جذبہ پیدا ہوا اور سب سے پہلے مسلمانوں نے اس خطرے کی سنگینی کو محسوس کیا، سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو شہیدؒ اور دیگر مسلم فرماں روا اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں کود پڑے اور یوں تحریک آزادی کی ابتداء ہوئی پھر یہ تحریک رکی نہیں بلکہ اس نے زور پکڑنا شروع کیا اور اب علماء ہند کفن باندھ کر انگریزوں کو للکارنے لگے اور یہ ایسی جماعت تھی جس کی جفاکشی عزائم وہمم، صبر آزمائی، دوراندیشی اور ایثار وقربانی نے اس دور کی تاریخ کو انقلاب آفریں بنادیا اور مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا اسمٰعیل شہید، مولانا عبدالحئی اور آگے چل کر علماء دیوبند، مولانا قاسم نانوتوی، شیخ الہند، مولانا گنگوہی، حافظ ضامن شہید، مولانا حسین احمد مدنی اور مفتی کفایت اللہ اور مولانا آزاد وغیرہ جیسے پیکر استقلال اور کوہ گراں پیدا ہوئے، جنھوں نے اپنی تقریروں، تحریروں؛ بلکہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے آزادیٔ وطن کی بنیا د رکھی۔

انھیں علماء کرام کی جلائی ہوئی مشعل کی روشنی میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بہادر شاہ ظفر کی

قیادت میں لڑی گئی جس میں ہندوستان کے ہر فرقے کے لوگ شامل تھے؛ لیکن یہ جنگ ناکام ہوئی اور ناکامی کی قیمت سب سے زیادہ مسلمانوں کو چکانی پڑی، تقریباً دو لاکھ مسلمان شہید ہوگئے جن میں تقریباً باون ہزار علماء تھے ان کی جائدادیں لوٹ لی گئیں، اس قدر جانی و مالی نقصان کے باوجود تحریک آزادی کا سلسلہ مختلف شکلوں میں جاری رہا اور بالآخر ہمارا ملک تمام فرقوں، بالخصوص مسلمانوں اور خاص طور سے علماء کی جہد مسلسل اور پیہم کوشش اور جانی و مالی قربانی کے بعد ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہوگیا، اور ۲۶/جنوری ۱۹۵۰ء سے جمہوری ملک قرار دیا گیا اور دستور کو سیکولر دستور کا نام دیا گیا۔

مجاہدین آزادی کے سامنے تحریک آزادی کا مقصد صرف سیاسی آزادی نہیں تھا؛ بلکہ ایسے نظام حکومت کا خواب تھا، جس میں اس ملک کے تمام شہریوں کو مذہبی، سماجی اور اقتصادی آزادی حاصل ہو؛ تاکہ بغیر کسی مذہبی علاقائی اور لسانی تفریق کے سماجی نابرابری، جہالت، غربت، ظلم و تشدد اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے بری سماج وجود میں آسکے اور ہر شہری آبرومندانہ زندگی گذار سکے، غور کیجیے ملک آزاد ہوئے تقریباً ۶۶/سال ہوگئے؛ لیکن کیا انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہمارے معاشرے کو انگریزی تہذیب وتمدن سے آزادی مل سکی، ۱۹۴۷ء میں ملک کے لوگوں کے درمیان مل جل کر رہنے کا جو سمجھوتہ ہوا تھا کیا وہ کامیاب ہوتا ہوا نظر آرہا ہے، کیا سماجی نابرابری کی خلیج پاٹ دی گئی، کیا ہر مذہب والے کو مذہبی آزادی مل سکی؟ بدعنوانی، کرپشن، سرکاری خزانے کی لوٹ، اشیاء خوردونوش میں ملاوٹ، دہشت گردی وفرقہ پرستی جیسی غیرقانونی باتوں سے ملک آزاد ہوسکا؟ ذرا آگے بڑھیے، آزادی کے بعد ایک مخصوص فرقے کے اردگرد گھیرا تنگ کیا جانے لگا، گزشتہ ۵۰/۶۰/سالوں میں ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے ساتھ جو امتیازی سلوک کیا گیا اس کے نتیجے میں جمہوریت پر اعتماد برقرار نہ رہا اس دوران ملک کا اخلاقی زوال اس سطح تک پہنچ گیا کہ ملک کے ہر محکمہ اور ملک کے ہر ادارے میں بے ایمانی، رشوت خوری اور ناجائز طریقے سے دولت سمیٹنے کا طوفان سا آگیا، اب ہر روز ایک نئی بدعنوانی کا پردہ فاش ہورہا ہے، سیاست ایک نفع بخش پیشہ بن گئی، ملک کی فوج کے کچھ افراد شک کے دائرے میں آگئے، محبّ وطن کو غدار وطن کہا جانے لگا، مسلمانوں کے ساتھ ہر سطح پر اور تمام شعبہ ہائے حیات میں ناانصافی کی گئی، تعلیمی اور اقتصادی طور سے انھیں قعر مذلت میں ڈھکیل دیا گیا، ۱۹۶۱ء سے فسادات کا سلسلہ چل پڑا، جانی و مالی دونوں اعتبار سے انھیں نقصان پہنچایا گیا، فاشسٹ تنظیموں اور سیکوریٹی فورسز کو کھلی چھوٹ مل گئی کہ وہ مسلمانوں کے خون میں آزادی سے ہاتھ رنگا کریں، دہشت گردی کے نام پر بے قصور مسلمانوں کو سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا، ان کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا گیا، فرضی انکاؤنٹر کا کھیل کھیلا

گیا، غرضیکہ ہر میدان میں ایک مخصوص فرقے کو پیچھے رکھنے کی سازشیں کی گئیں، کیا مجاہدین آزادی نے ایسی ہی جمہوریت کا خواب اپنی آنکھوں میں سجایا تھا؟

دوسری طرف جاں باز اور ایثار شیوہ علماء اور مجاہدین آزادی کی خدمات اوران کی سرفروشی کے آثار ونشانات تاریخ کے اوراق سے مٹانے کی انتھک کوشش جاری ہیں اور یہ باور کرایا جارہا ہے کہ ملک کی آزادی میں مسلمانوں کا کوئی خاص رول نہیں ہے اور جشن آزادی اور جشن جمہوریہ کے موقع پر صرف گاندھی، نہرو، سبھاش چندر بوس، بھگت سنگھ وغیرہ کا نام پوری طاقت سے لیا جاتا ہے، اور ہماری نئی نسل ان کے دام فریب میں پھنس بھی رہی ہے، آج ہماری نسل اپنے بزرگوں اور آباء و اجداد کی قربانیوں کی تاریخ سے ناواقف ہے، انھیں علماء دیوبند کی جفاکشی، علماء صادق پور کی سرفروشی کا علم نہیں، انھیں سراج الدولہ، شیر میسور ٹیپو سلطان کی وطن پرستی سے واقفیت نہیں، آج نئی نسل چاہے وہ مسلمان ہوں یا برادران وطن سب یہ سمجھتے ہیں کہ ۲۶/جنوری اور ۱۵/اگست ہماری قومی تاریخ میں مسرت کے دنوں میں سے ایک دن ہے، اس میں شک نہیں کہ واقعی یہ دن فرحت و شادمانی کے دن ہیں؟ لیکن ہم نئی نسل پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنے اکابر واسلاف کی قربانیوں کی تاریخ پڑھیں، ان کی حیات و خدمات کا جائزہ لیں، ان کی صفات وخصوصیات اپنے اندر جذب کرکے اس کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ پیدا کریں اور برادران وطن کو علماء اور مسلمان مجاہدین کی وطن پرستی، اور وطن کے لیے جذبہ صادق اور تڑپ سے روشناس کرائیں، انھیں بتائیں کہ اگر آزادی وطن کی تاریخ سے علماء کرام کی خدمات کو نکال دیا جائے تو تاریخ آزادی کی روح ختم ہوجائے گی، علماء کرام کے کردار کیسے تھے، محمد میاں صاحب کی زبانی سنیے لکھتے ہیں:

> ''البتہ اسی اغراض پرستی اور طوائف الملوکی کے دور میں تحقیق وتفتیش کی ندرت آفرینی اور تلاش وجستجو کی عجائب نوازی، ہمیں ایک جماعت سے روشناس کراتی ہے، جس کے جذبات مقدس، مقاصد بلند اور جس کی جدوجہد ہر قسم کے شبہ سے پاک ہے، بادشاہوں، شاہزادوں، نوابوں اور راجاؤں کے متعلق بجاطور پر جاگیرشاہی کی زریں تمناؤں کا شبہ کیا جاسکتا ہے: لیکن اس جماعت کا دامن ایسے تمام داغوں سے پاک ہے یہ جماعت نہ اقتدار کی، نہ حکومت وسلطنت کی آرزومند، نہ اعزاز واکرام اور اعلی خطابات کی ہوس اس کے دامنوں سے الجھی ہوئی، اس کے سامنے صرف وطن ہے، باشندگان وطن ہیں، وطن عزیز کی حفاظت، اہل وطن کی ہمدردی اور اپنے ملک کی تعمیر وترقی ہے یہی ان کا نصب العین ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اس دین ومذہب کی حفاظت بھی ضروری سمجھتے

ہیں،جس سے ان کے پاک نفوس میں یہ پاکیزہ جذبات پیدا کیے ''یہ علماء ہند کی جماعت ہے'' وہ جماعت کہ اگر اس کے فکر سلیم اور جذبہ صادق کا اعتراف نہ کیا جائے، اور اگر تاریخی واقعات کی ترتیب اوران کے سلسلہ میں سے اس جماعت کی سنہری زنجیر کو نکال دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ بااخلاص اور ایثار شیوہ جماعت کے حق میں، ناانصافی ہوگی؛ بلکہ حق یہ ہے کہ وطن عزیز کے حق میں خیانت اور ایثار وقربانی کو پوری تاریخ پر ایک بہت بڑا ظلم ہوگا اس جماعت نے اٹھارہویں صدی کے وسط سے رفتار زمانہ کو بھانپ کر جو نظریہ مرتب کیا وطن عزیز کی ترقی اور کامیابی کے لیے جو تدبیریں سوچیں اور جس طرح ان پر عمل کیا وہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے'' (علماء ہند کا شاندار ماضی: ۵۷)

مسلمان اور علماء آزادی وطن کی لڑائی میں دوسروں کے ساتھ برابر کے شریک رہے ہیں اس کا انکار ناممکن ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تحریر وتقریر کے ذریعہ تقاریب و پروگراموں کے توسط سے لوگوں کو روشناس کرائیں اس کے لیے ایک مضبوط مسلم سیاسی قیادت کی بھی ضرورت معلوم ہوتی ہے، جس کے لیے سارے آپسی اختلافات مٹانے ہوں گے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں مشہور کالم نگار برائے راشٹریہ سہارا محفوظ الرحمان مرحوم کی تحریر کا اقتباس نقل کرکے مضمون ختم کیا جائے۔

''اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ موجودہ حالات میں ایک مضبوط قیادت ہی مسلمانوں کے درد کا درماں بن سکتی ہے، ایک ایثار پیشہ، بےلوث قیادت ہی ان میں بیساکھیوں کی بجائے اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہونے کے ذوق جنوں کی آبیاری کرسکتی ہے، نامساعد حالات کے سامنے سپر انداز ہوتے چلے جانے کے بجائے ان میں ان سے پنجہ آزمائی کی خفیہ اہلیت کو بیدار کرنے کی کوشش کرسکتی ہے اور جو کچھ کھو گیا ہے اس کی بازیافت کا ولولہ بھی پیدا کرسکتی ہے؛ لیکن یہ خواب کل بھی تعبیر سے تہی تھا، آج بھی اس کی خوش کن تعبیر حقیقت کا روپ دھارنے سے گریزاں نظر آرہی ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مسلمانوں میں ایک مضبوط اور ایثار پیشہ قیادت ابھر ہی نہیں سکتی، یہ ناممکن نہیں ہے، وہ وقت ضرور آئے گا، جب ہم اور آپ اس خواب کو حقیقت بنتا دیکھیں گے، آواز وہی باوزن کہلاتی ہے جو اسمبلیوں اور پارلیمنٹ کے ایوانوں میں گونجتی ہے جو اخباروں کے صفحات میں پڑھی اور الیکٹرانک میڈیا کی نشریات میں سنی جاتی ہے، مسلمانوں کو اپنی سیاسی تنظیم کے ذریعہ اپنی آواز میں یہ وزن پیدا کرنا ہوگا، یہی وہ راستہ ہے جو انھیں حقوق کی بازیافت اور عزت وتوقیر کی منزل مراد تک پہنچا سکتا ہے''